﷽

پیش لفظ۔ محمد ﷺ جان رحمت پر لاکھوں سلام۔

یہ نصاب ہائی اسکول کے طلبہ کی ضروریات کو سامنے رکھ کر بڑی کاو ش سے تیار کیا گیا ہے ۔درسی کُتب کی تیاری ایک فن ہے آسان بھی اور دشوار بھی اگر اس عمل میں محض کنچی اور لیئی کا سہارا لیا جائے تو یہ بہت آسان کام ہے لیکن تصنیفات کی ورق گردانی کرکے اگر نئے مضامیں اور انتخا بات کی ترتیب دی جائے تو یہ کام د شوار اور وقت طلب ہوجاتا ہے۔ اس نصاب پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوگا کہ اس تالیف میں دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے ۔

اس نصاب کی خصوصیات درج ذیل ہیں ۔

قدیم اور جدید سرمایہ شعر ادب سے جو اقتباسات اور انتخابات شامل کئے گئے ہیں ان میں ایک خوش گوار توازن اور اعتدال قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انتخابات و ترتیب میں کافی تنوع ہے۔ اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ طلبا قدیم ادبی سرمائے سے ضروری واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ نئے ادبی رجحانات سے ضروری واقفیت حاصل کرنے سے بھی آ شنا ہو سکیں اور ان کے بڑتے ہوئے نداق شعرو ادب کی تربیت اور آسودگی ہوسکے۔

اقتباسات اور انتخابات میں مناسب اور حسب ضرورت تصرف کرکے انھیں طلبا کے معیار کے مطابق بنانے کی کوشش کی گئی ہے مضامین معیاری اور انتخابات مختصر نئے اور شگفتتہ

ہیں پرانے مضامین اور نظموں کو ہی با با پڑھنا اور پڑھاتے رہنا کنچیایک تھکا دینے والی ہم رنگی اور یکسانیت پیدا کردیتا ہے۔ اس خیال کے پیش نظر چند مضامین اور نظمین بالکل نئی شامل کی گئی ہیں۔

نئی نسل کے صرف اُنھیں ادیبوں اور شاعروں کو جگہ دی گئی ہے جو مستند ہوچکے ہیں اور اپنے دور کے نمائندہ ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں

اردو انشا کی ایک بڑی محرومی یہ ہے کہ باوجود انجمن ترقی اُردُو کی کوششوں کے الفاظ کی ملاوٹ اوقات اور اعراب کے لئے کسی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی۔ یہی سبب ہے کی کتابوں میں انشا کی بہت سی خامیاں نظر آتی ہیں ان مجموعوں میں چند اصول برتے گئے ہیں ہر لفظ علاحدہ لکھا گیا ہے اوقات کا پورا خیال رکھا گیا ہے تاکہ طلبہ کو مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو ان الفاظ پر کہیں کہیں اعراب ملیں گے جن کے تلفظ میں غلطی کا امکان ہوتاہے۔ صفائی صحت اور حسن ترتیب کی طرف بھی خاص توجہ کی گئی ہے باضابطہ طور پر انشا کے چند اصولوں کو درسی کتب میں برتنے کی غالبا یہ پہلی کوشش ہے یقین ہے کہ یہ نصاب وقت کے ادبی تقاضوں کو پورا کرے گا اور اساتذہ اور طلبہ اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے ۔

مولفین

اساتذہ کے لیے اشارے تعلیم

طلبہ میں شعر ادب کا پاکیزہ ذوق پیدا کرنے کے لیے جہاں اچھے انتخابات ہونا ضروری ہے وہاں یہ لازمی ہےکہ انتخابات عمدہ طریقہ سے طلبہ کے سامنے پیش کیے جائیں ۔ اچھے سے اچھے ادبی شاہ کار کو اس طرح بھی پڑھایا جاسکتا ہے کہ طلبہ ہمیشہ کے لیے اس سے بد دل ہوجائیں اور ایک معمولی مضمون کو ان کے سامنے اچھے ڈھنگ سے پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس سے لطف اندوز ہوسکیں ۔

طریقہ تعلیم کی تعیین میں استاد کی شخصیت سَبْ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے تاہم اسکے چند خارجی اصول بھی ہیں ماہر تعلیم کے تجربات کے بعد مترتب ہوۓ ہیں ایک اچھے مدرس کے ہاتھ میں یہ اصول مفید اوزار کا کام دیتے ہیں جن میں وہ اپنے سبق کی تراش خراش میں کام لیتا ہے۔ مگر کبھی ان کا غلام نہیں ہو تا اور اپنی انفرادیت کو اصولوں کی اندھی تقلید کا پابند نہیں ہوتا اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد ہم مادری زبان کے طریقے یقہ تعلیم کے چند اصول بتاتے ہیں اور مدرسیں سے التماس کرتے ہیں کہ زبان کے اسباق پڑ ھاتےوقت ان کا خاص لحاظ رکھیں۔

۱۔ نثر کے اسباق خاموش مطالہ کے لیے ہوتے ہیں۔ بلند خوانی کے لیے وہی ٹکڑے منتخب کئے جاتے ہیں جن کی انشا یا طرز ادا میں خاص خوبی ہو ۔

۲۔ بلند خوانی سے پہلے خاموش مطالعہ کو مفید اور با مقصد بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مشکل الفاظ کو اور تراکیب کو تشریح پہلے ہی کردی جائے خاموش مطالعہ کے بعد نفس مضمون پر ایسے خیال افزا سوالات کرنے چاہیں کہ طلبہ غور کرنے پر مجبور ہوں اور جواب دینے میں پڑھی ہوئی عبارت کا زیادہ سے زیادہ حصہ دہراسکیں۔

۳۔ نثر کے اسباق بغیر زبان و قواعد کی مشقوں کے نا مکمل رہتے ہیں ۔ سبق کے اختتام پر یا اگر موقع ہو تو دوران سبق میں بھی طلبہ سے زبان و قواعد کی مشقیں حل کرائی جائیں ۔ یہ مشقیں سبق سے متعلق ہوں اور ان میں ترتیب اورتسلسل ہو مشقوں کے نمونے اسباق کے آخر میں شامل ہیں

۴۔ نظم آرٹ کا نمونہ ہے اور اسے اسی حیثیت سے طلبہ کے سامنے پیش کیا جاۓ نظم پیش کرنے میں سے پہلے اس کے لیے مناسب فضا پیدا کی جاۓ اور پھر الفاظ مشکلہ کو سمجھا دیا جاۓ لیکن اس سلسلہ میں مدرس کو خیال رکھنا چاہیے کہ وہ طلبہ کے سامنے اور شاعر کے بیچ میں زیادہ عرصہ تک حائل نہ رہے طلبہ کے سامنے کم از کم دوبار نظم پڑھ کر انھیں موقع دے کر کہ وہ شاعر سے براہ راست مخاطب ہو سکیں۔

۵۔ خوش خوانی کے بعد نظم پر بحیثیت مجموعی سوالات کئے جائیں ۔ غیر ضروری بحث تمحیص میں پڑکر نظم کی خوب صورتی کو مجروع نہیں کرنا چاہیے۔ سوالات توضیحی اور تنقیدی دونوں ہوں اور شاعر کے مقصد تاثرات اور زبان و بیان کے محاسن سے متعلق ہوں۔

۶۔ طلبہ سے خوش خوانی کرائی جائے مگر ترنم سے نہیں ،خوش خوانی کے لیے وہی طلبہ منتخب کئے جائیں جو اچھا پڑھ سکتے ہوں۔

۷۔ نظم پڑھانے کے سلسلے میں زبان و قواعد کی مشقیں بے محل ہیں۔ نظم کے اسباق میں صرف ایسی مشقیں لینی چاہئیں جن سے طلبہ کا ذوق شعری بڑھے اور ان میں نقد و تبصرہ کی صلاحیت پیدا ہو میں۔

۸۔زبان و قواعد کے مشقیہ سوالات کے ساتھ ساتھ طلبہ کو تخلیقی انشاء پروازی کی مشقوں کے کافی نمونے ملیں گے ان نمونےکی مدد سے اور مشقیں تیار کی جائیں ۔

۹۔زبان و ادب کی تعلیم میں ڈرامہ مناظرہ مناثرہ اور مشاعرہ وغیرہ کی بڑی اہمیت ہے اسا تذہ کو اُدھر پوری توجہ کرنی چاہیے۔ اِن طریقوں سے طلبہ کواظہاری کام کا اچھا موقع ملتا ہے۔

۱۰۔مشہور تصانیف اور کلام کے مجموعوں کا ذکر مصنفین اور شعرا کے حالات میں کر دیا گیا ہے۔ مزید مطالعہ کے لیے کچھ کتابیں خاص طور پر اسباق کے آخر میں لکھ دی گئی ہیں۔ اسا تذہ مزید مطالعہ میں طلبہ کی راہ بری کریں۔

مادری زبانکے سلسلہ میں مفید عملی کام لکھ

۱۔ مدرس اپنی بیاض رکھے اور طلبہ سے بھی چھوٹی چھوٹی بیاضیں بنواۓ اِن میں وہ اپنی پسندکے اشعاراور نظمیں درج کریں۔ کبھی کبھی اِن بیاضوں سے بھی نظمیں لے کر پڑھائی جائیں ۔ اِن بیاضوں کے کچھ اشعار اور نظمیں طلبہ یاد بھی کرلیں

۲۔ جو اسباق نظم و نثر کہانی سے متعلق ہوں یا جن میں منظر کشی اچھی ہو انھیں آرت کے گھنٹہ میں رنگ و برش سے بنوایا جاۓ اس وقت طلبہ یہ محسوس کریں گے جو کام مصور اپنے برش سے لیتا ہے وہی کام ایک شاعر یا ادیب الفاظ سے لیتا ہے

۳۔طلبہ اپنی سہولیت کو مد نظر رکھتے ہوۓ ذاتی یا اجتماعی طور پر البم بنائیں اور اِن میں (۱) شعرا (۲) مصنفین (۳ )مشہور شخصیتیں (۴) تاریخی عمارتیں وغیرہ جمع کریں اور ان کے بارے میں کبھی کبھی بحث و مناظرہ کریں ۔ البم کا شوق پیدا کرنے کے لیے اُردو کے مشہور شعرا اور مصنفین کی تصاویر اس میں دے دی گئی ہیں۔

یہ چند خاص اشارے ہیں جو اساتذہ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ تفصیل میں پڑنے کی نہ تو گنجائش تھی اور موقع۔ ہمیں امید ہے کہ ان اشاروں کو کام میں لاکر اساتذہ مادری زبان کی تعلیم میں ایک نئی رٗوح پھو نکیں گے۔

حصّۂ نثر

فہرست مضامین

|  |  |  |  |
| --- | --- | --- | --- |
| نمبر شمار | نام مصنف | مضمون | صفہ |
| ۱ | میراَمٔن | سیر پہلے درویش کی (اقتباس) | ۲ |
| ۲ | رجب علی بیگ سرورؔ | ساحرہ کی عیاری | ۱۰ |
| ۳ | اسداﷲ خان غالبؔ | خطوط | ۲۲ |
| ۴ | سر سیّد احمد خان | خوشامد | ۳۹ |
|  |  | امید کی خوشی | ۴۳ |
| ۵ | محمد حسین آزادؔ | بیربل کی آخری مہم | ۵۵ |
|  |  | انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا | ۷۱ |
| ۶ | نذ یراحمد | ابن الوقت کی تقریب | ۸۴ |
|  |  | مرزا ظاہر داربیگ | ۹۳ |
| ۷ | الطاف حسین حالیؔ | دیباچہ مسدس حالی | ۱۰۹ |
|  |  | مرزا کے اخلاق و عادات | ۱۱۷ |
| ۸ | عبدالحلیم شررؔ | مٹیا برج کے حالات | ۱۳۸ |
|  |  | میر انیس کی شاعری | ۱۵۸ |
| ۹ | شبلی نعما نیؔ | سر سیّد مرحوم اور اُردو لٹر یچر | ۱۶۹ |
| ۱۰ | رتن ناتھ سرشارؔ | آ ٹھواں کا میلا | ۱۸۵ |
|  |  | میاں آ زاد ہوٹل میں | ۱۸۵ |
| ۱۱ | راشدالخیری | بزم شعرا اور آ زاد مرحوم | ۲۰۰ |
| ۱۲ | عبدالحق | اُردو کی مقبولیت کے اسباب | ۲۱۴ |
| ۱۳ | حسن نظامی | سیم لا ٗ آسمان کی آواز یں | ۲۲۱ |
| ۱۴ | ابو الکلام آ زاد | حکایت بادۂ و تریاک | ۲۳۱ |
| ۱۵ | پریم چند | عید گاہ | ۲۴۳ |
| ۱۶ | سجاد حیدر یلدرم | بغداد کا سفر | ۲۶۷ |
| ۱۷ | نیاز فتح پوری | چاند کا سفر | ۲۸۰ |
| ۱۸ | فر حت اﷲ بیگ | ایک و صیت کی تکمیل | ۳۰۵ |
| ۱۹ | رشید احمد صدیقی | بجرو | ۳۲۰ |
| ۲۰ | پطرس بخاری | لاہور کا جغرافیہ | ۳۳۴ |
| ۲۱ | شوکت تھا نو ی | صفی لکھنوی | ۳۴۷ |
|  |  | مرزا عظیم بیگ چغتائی | ۳۴۹ |
|  |  | لاٹری کی ٹکٹ (ڈرامہ) | ۳۵۱ |

میر اَمّن

ا ٹھا ر ویں صدی عیسوی میں دلّی میں رہتے تھے۔اور لطف تخلص کرتے تھے ۔ جب دلّی کی سلطنت بگڑی تو یہ پٹنہ ہوتے ہوۓ کلکتہ پہنچے ۔ وہاں کچھ عرصے تک نواب دلاور جنگ کے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم کے اتالیق رہے۔ پھر فورٹ ولیم کالیج کے ادیبوں میں شریک ہوگئے۔

اس کالج میں ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کی نگرانی میں ایک شعبہ اُردو زبان میں تصنیف و ترجمہ کا قائم ہوا تھا ۔ اس ادارے نے اُردو زبان کی بیش بہا خدمت انجام دی۔

میر اَمّن نے میر عطا حسین تحسینؔ اٹاوی کی فارسی کتاب نو طرز مرصّع کو سامنے رکھ کر 'قصۂ چہار درویش' سلیس اُردو میں لکھا۔

اس کتاب کی بدولت میر اَمّن کو شہرت ابدی حاصل ہوئی اورانھیں نثر اُردو کا بانی قرار دیا گیا۔ زبان و بیان کی سلاست و دل کشی کے لحاظ سے یہ کتاب آج بھی لا جواب ہے۔ ڈیڑھ سو سال پُرانی ہونے پر بھی اس کتاب کو پڑنے سے اُس دور کی داستان گوئی کا اندازہ ہوتا ہے اور اُس زمانہ کے رسم و رواج ، مذہبی عقائد، توہمات اور معاشرتی زندگی کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔

سیر پہلے دَرویش کی

میری پیدائش اور وطن بز رگوں کا ملک یمن ہے والد اس کو عاجزکا ملک التجا ر خواجہ احمد نام ، بڑا سوداگر تھا۔ اس وقت میں کوئی مہاجن یا بیپاری ان کے برار نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کے گھر میں موجود تھے۔ ان کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوۓ ۔ ایک تو یہی فقیر جو کفنی سیلی پہنے ہو ۓ مرشدوں کے حضور میں حاضر اور بولتا ہے اور دوسری ایک بہن جس کی قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی ایک شہر کے سودا گر بچے سے شادی کردی۔ وہ اپنے سسرال میں رہتی تھی جس کے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو اس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے۔ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چور سے ماں باپ کے سایہ میں پرورش پائی اور پڑھنا لکھنا ، سپاہ گری کا کسب و فن، سوداگری کا بہی کھاتہ روزانہ سیکھنے لگا۔ چودہ

برس نہایت خوشی اور بے فکری میں گزرے۔ کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا۔ یک بیک ایک ہی سال میں قضأے الٰہی سے مر گئے۔عجب طرح کا غم ہوا ، جس کا بیان نہیں ہوسکتا ۔ یکبار گی یتیم ہوگیا ۔ کوئی سر پر بوڑھا نہ رہا۔ اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا۔ کھانا پینا سب جھوٹ گیا۔ چالیس دن جوں توں کرکے گزرے۔ چہلم میں اپنے بیگانے چھو ٹے بڑے جمع ہو ۓ ۔ جب فاتحے سے فراغت ہوئی سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بند ھوائی اور سمجھایا "دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے آۓ ہیں اور اپنے تیئن بھی ایک روز مرنا ہے۔ پس صبر کرو ، اپنے گھر کو دیکھو ، اب باپ کی جگہ تم سردار ہوۓ اپنے کاربار لین دین سے ہوشیار رہو۔" تسلی دے کر دہ رخصت ہوۓ۔ گماشتے نوکر چاکر جتنے تھے ، آن کر حا ضر ہوۓ۔ نذ ریں دیں ا ور بولے " کوٹھی نقد و جنس کی اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجیے " یکبار گی جو اس دولت بے انتہا پر نگاہ پڑی آنکھیں کھل گیئں ۔ دیوان خانے کی تیاری کا حکم کیا ۔ فراّشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت ، پردے ، چلو نیں تکلّف کی لگا دیں اور اچھے اچھے خدمت گار ، چوب دار نوکر رکھے ۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوادیں ۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا بیٹھا۔ ویسے ہی آدمی غنڈے ، بھا نگڑے ، مفت کھانے پینے والے ، جھوٹے خوشامدی آ آ کر آشنا ہوۓ اور مصاحب بنے۔ ان سے آ ٹھ پہر صحبت ہونے لگی۔ ہر طرح کی باتیں زٹلین واہی تباہی ادھر اُدھر کی کرتے اور کہتے جوانی کے عالم میں ویش کیجئے۔ غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔ شراب ، ناچ اور جوۓ کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ سودا گری بھول گئی۔ اپنے نوکررفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی جو جس کے ہاتھ پڑا الگ کیا۔ گویا لوٹ مچادی۔ کچھ خبرنہ تھی کتنا روپیہ خرچ ہوتاہے؟ کہاں سے آتا ہے اور کدھر جاتا ہے "مال مفت دل بے رحم"۔ اس قدر خرچ کے آگے اگر کنج قارون ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں یکبار گی یہ حالت ہوئی کہ فقط لنگوٹی باقی رہی۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچہ بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے ، کافور ہو گئے ، بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چراکر منہ پھیر لیتے اور نوکر چاکر خدمت گار ، بہلئے۔ ڈھلیت ، خاص بردار ، ثابت خانے ، سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پو چھنے والا نہ رہا جو یہ کہئے یہ کیا تمھارا حال ہوا ، سوا ۓ غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا ۔ اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسر نہیں کہ چبا کر پا نی پیوں ۔ دو تین فاقے کڑاکے کے کھینچے ۔ تاب نہ لا سکا ۔ ناچار بے حیائی کا بُرق منہ پر ڈال یہ قصد کیا کہ بہن کے پاس چلیے۔ لیکن شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا ، نہ خالی خط لکھا ۔ بلکہ اس کے دو ایک خط خطوط ماتم پُرسی اور اشتیاق کے جو لکھے ان کا جواب بھی اس خواب خرگوش میں بھیجا۔ اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا ، پھر سواے اس گھر کے اور کوئی ٹھکانہ نظر میں نہ ٹھہرا جوں توں پا پیادہ خالی ہاتھ گرتا پڑتا ہزار محنت سے منزل کاٹ کر ہم شیرہ کے شہر میں جاکر اسکے مکان پر پہنچا۔ وہ ما جائی میرا حال؛ دیکھ کر بلائیں لے گلے مل کر بہت روئی ۔ تیل ، کلے ماش ، ٹکے مجھ پر صدکے کئے۔ کہنے لگی ، اگر چہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا لیکن بھیّا ! تیری یہ کیا صورت بنی ؟ اس کا جواب میں کچھ نہ دے سکا۔ آنکھو میں آ نسو ڈبڈ با کر چکا ہو رہا ۔ بہن نے جلدی سے خاصی پوشاک سلوا کر حمام میں بھیجا۔ نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے ۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا ۔ صبح کو شربت اور لوزیات ، حلوا سوہن ، پستہ مغزی ، ناشتے کو اور تیسرے پہر میوے خشک و تر ، پھل پھلاری اور رات دن دونوں وقت پلاؤ ، نان نان قلیہ کباب تحفہ تحفہ مزے دار منگوا کر اپنے روبرو کھلایا کر جاتی۔ سب طرح خاطر داری کرتی۔ میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا خدا کی درگاہ میں ہزار شکر بجا لایا۔ کئی مہنے اس فراغت سے گزرے کہ پانؤں اس خلوت سے باہر رکھا۔ ایک دن وہ بہن جو بجاۓ والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی ، کہنے لگی ۔" اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی ہے اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔ تو نے مجھے نہال کیا۔ لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے بنایا ہے ، گھر میں بیٹھے رہنا ان کو لازم نہیں ۔ جو مرد نکھٹو ھتو ہو کر گھر سیتا ہے اس کو دنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں ۔ خصوص اس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے بے سبب تمھا رے رہنے پر کہیں گے ، اپنے باپ کی دولت کھو کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آ پڑا ۔ یہ نہایت بے عزّ تی ہے اور میری تمھا ری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے۔ نہیں تو میں اپنی چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔ اب یہ صلاح یہ ہے کہ قصد سفر کرو۔ خدا چاہے تو دن پھریں اور اس حیرانی اور مفلسی کے بدلے خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو۔"

یہ سن کر مجھے بھی غیرت آئی اس نصیحت پسند کی ، جواب دیا ۔" اچھا اب تم ماں کی جگہ ہو۔ جو کہو سو کروں ۔" میری مرضی پا کر گھر میں جا کر پچاس توڑے اشرفی کے ، اصیل اور لونڈیوں کے ہاتھ میں لوا کر میرے آگے لا رکھے اور بولی " ایک قا فلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے۔ تم ان روپیوں سے جنس تجارت کی خریدو ، ایک تاجر ایمان دار کے حوالے کرکے دستاویز پکی لکھوا لو اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو ۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو ، اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو ، یا آپ بیچیو ۔" میں نقد لے کر بازار گیا ۔ اسباب سوداگری کا خرید کر ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا ۔ نو شت و خواند سے خاطر جمع کرلی ۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہوکر روانہ ہوا اور فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگے میں نی بہن سے ایک بھاری جوڑا اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے توا ضع کیا مٹھائی پکوان ایک خاص دان میں بھر کر ہرنے سے لٹکا دیا اور چھا گل پانی کی شکار بند میں بندھوادی ۔ امام ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا ۔ وہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر آنسوں پی کر بولی۔"سدھا رو ، تمہیں خدا کو سونپا۔ پیٹھ دکھاۓ جاتے ہو اسی طرح منہ دکھائیو ۔ " میں نے فاتحہ خیر پڑھ کر کہا " تمہارا بھی خدا حافظ ہے۔ میں قبول کیا۔" وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور خدا کے توکل پر بھروسا کرکے دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس پہنچا۔ غرض جب شہر کے دروازے پر گیا تو بہت رات ہوچکی تھی۔ دربانوں اور نگہ بانوں نے دروازہ بند کیا تھا۔ میں نے بہت منت کی ، مسافر ہوں دور سے دھاوا مارے آتا ہوں ، اگر کواڑا کھول دو تو شہر میں جاکر دانی کھاس کا آرام پاؤں۔ اندر سے لوگ گھڑ ک کر بولے" اس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں ہے۔ کیوں اتنی رات گئے تم آۓ " جب میں نے صاف جواب سُنا تو شہر پناہ کی دیوار کے تلے گھوڑے کے اوپر سے اُ تر زین پوش بچھا جاگنے کی خاطر ادھر اُدھرٹہلنے لگا۔

رجب علی بیگ سرؔٗور

۱۷۸۶؁ء میں لکھنو میں پیدا ہوۓ۔ والد کا نام اصغر علی بیگ تھا۔ عربی و فارسی کے عالم اور فنون خطّاطی و موسیقی میں کامل تھے۔ نداق سخن بہت صاف و ستھرا تھا ، مزاج میں شگفتگی و ظرافت تھی ۔ مرزا غالبؔ اور اُن کے دوستوں میں تھے۔ تلاش معاش کے سلسلہ میں سروؔر کو اِدھر اُدھر بھٹکھنا پڑا ۔ ان کے خطوط سے ظاہر ہوتاہے کہ انہوں نے دہلی ، میرٹھ ، راجپوتانہ ، کانپور اور کلکتہ کا سفر کیاتھا۔ آخر میں وہ بنارس گئے ، جہاں مہاراجہ ایشوری سنگھ نے ان کی آو بھگت کی۔ وہیں ۱۸۶۷؁ء میں انتقال کیا۔

سروؔر کی دو کتابیں بہت مشہور ہوئیں ۔ انشأے سرؔور ، اور فسانٔہ عجائب ۔ فسانٔہ عجائب کو بالخصوص بڑی شہرت نصیب ہوئی ۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے درمیان زمانہ کی نمائندہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا طرز بیان اُس دور کا مقبول اور پسندیدہ طرز تھا جس میں آورد تکلّف ، خوبصورت ، تراکیب اور شوکت الفاظ کی بہتات اور عبادت سے مسجع و مقفیٰ ہوتی تھی۔

فسانۂ عجائب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ جن ، جن ، پری ،دیو ، شہزادہ ، شہزادی ، جادوگر وغیرہ کے قصّوں کو شوق سے سنتے تھے۔ ان میں افوق الفطرت باتیں بہت ہوتی تھیں پھر بھی ان میں اس زمانے کی معاشرتی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

سَاحرہ کی عیاری

محران جادو نگار ، سحر ساز ، راقمانۂ فسانۂ ہوش ریا حیرت پرواز نے لکھا ہے کہ جان عالم ہر صبح مثل مہر درخشان قطع منازل و مراحل و ہر شام مانند ماہِ تابان قیام کرتا چند عرصے میں پھر اِسی دشت اِدبار صحراۓ خار خانۂ جہاں ہوض میں کود پڑا تھا ، وارد ہوا۔ ھوض کے متصل سرا پردۂ خا ص نصب ہوۓ ۔ گرد لشکر نصرت اثر اُ ترا۔ انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار وہ چشمہ دکھایا۔ جب تمام ہوا نماز کے واسطے جدا خیمے میں تشریف لایا ، نماز پڑھ کے کسل راہ سے ،پلنگڑی جواہر نگار بچھی تھی۔ اس پر لیٹ رہا۔ سستی کے با عث غنو دگی سی تھی کہ دفتہََ ایک خواص خاص انجمن آراکی دوڑ آئی۔ کہا ، شہزادہ جان عالم کی عمر دراز ہو ، فصیب دشمنان شہ زادی کی طبیعت ناساز ہے۔ شدّت سے کلیجے میں درد ہوتا ہے۔ وہ نقش سلیمانی اور لوح دیجیۓ دھو کر پلادیں۔ عارضۂ مزاج مطلوب و بد مزگی طبیعت محبوب سن سے بے قرار ہوا۔ کچھ نیند کا خمار ، کچھ طبیعت کا انتشار ، دیکھا نہ بھالا ، نقش و لوح حوالہ کیا۔ نقش دیکھتے ہی نقشہ بگڑ گیا ۔ ایک آواز مہیب پیدا ہو ئی ۔ کہ اے جان عالم بہت دنوں اُڑتا پھرا۔ مدت بعد کے پھنسا ، خبردار ہوجا۔ ایسی آواز ہول ناک تھی کہ سب لشکری ڈر گئے۔ شجاعوں کے دل تھرا گئے محل میں عورتوں کو غش آگے۔ گھبراکر شہزادہ نے اُٹھنے کا قصد کیا۔ جگہ سے نہ ہلا گیا۔ ّور جو کیا ادھا جسم پتھر ہوگیا تھا۔پھر جو جہاں بیٹھا تھا ، بیٹھا رہ گیا ، جو کھڑا تھا اینٹھا رہ گیا۔ ہر طرف غل و شور تھا، جو پڑا تھا زندہ در گو تھا۔کچھ دکھ ، کچھ ہنسی ، تمام فوج آفت ناگہانی میں پھنسی ۔عجب کھلبلی مچی ۔ کل لشکر انسان سے حیوان تک نیچے کا دھڑ پتھر کا اور اُوپر کا جسم بدستور ۔ آہ و نالہ ، فریاد و بکا ، سب لشکر بپا تھا اور محل سرا میں بھی یہی ہنگامہ مچا تھا۔ ہر ایک گرفتار بلا تھا۔ وہ عورتوں کی زاری ، انجمن آرا کی بے قراری علی الخصوص ملکہ کے بیان سے زمیں آسمان کانپتا تھا۔ تھا تھی تھے

تمام لشکر میں از شام تا پگاہ ہر ایک کے کب سے نالۂ جان کا بلند رہا۔ جس وقت ماہ دمِ سرد بھرتا ۔ نقابِ سیاہ روۓ تابان ڈال کر غم کدۂ مغرب کی طرف روانہ ہوا اور آفتابِ جگر سوختہ مشرق سے نکل کر خدنگ آہِ بے کساں کا نشانہ ہوا ، ایک ابر تیر و تار آیا آدمی خوف زدہ دیکھنے لگے۔ اس ابر اژدہا ۓ خون خوار و شعلہ فشان ، آ تش وہاں نکلا ۔ ایک عورت اس پر سوار ، وہ آ تش بار، شہ زادے کے خیمے میں اتری ۔ جان عالم نے پہچا نا کہ یہ وہی جادو گرنی ہے ۔ دل سے کہا ، شہر اپنا دور رہا ، موت قریب آئی قسمت نے کس جگہ لاکر نیرنگی دکھلائی۔ وہ بولی "جان عالم ! کہو ، اب کیا قصد ہے ۔" شہ زادے نے کہا۔ "وہی جو تھا۔" اس نے کہا ، اب وہ نقش سلیمانی اور لوح پیر مرد کے نشانی کہاں ہے ؟ جس کے بھروسے پر کودتے تھے۔اگر زندگی مع لشکر درکار ہے ۔ تو ملکہ آرا سے انکار کردو اور ہماری اطاعت اور محبت مقدّم جان کر ہم سے دار مدار کرو۔ نہیں تو میں ایک دم سب کو بے گورو کفن طعمۂ زاغ وزغن کردون گی۔ دشت لاشوں سے بھر دوں گی ۔ شہزادے نے کہا ، ہمارے لوح دل پر نقش ارادات حافظِ حقیقی کلک قدرت منقّش ہے۔ عادت سے مجبور ہوں، بے وفائی سے دور ہوں ۔ جو کہا سو کہا۔ اگر قضا آئی ہے، مرنے میں کیا چارہ ہے۔ مگر جیتے جی بات جانی کب گوارا ہے۔ یہ سن کر وہ جل گئی۔ غصّے سے رنگت بدل گئی۔ کچھ بڑ بڑا کر جان عالم پر پھونکا۔ نصف پتھر تھا اب حلق تک ہو گیا۔ حسرت ویاس سینے میں بھری تھی۔ تصویر آزری سے پلنگڑی پر بے حس و حرکت دھری تھی۔ وہ تو اژدھے پر چڑھ کر اُڑی اور پکاری اے اجل رسیدہ ! آج کا دن اور رات مہلت ہے۔ اگر صبح کو بھی انکار کیا ، تو یاد رکھنا، لشکر کا خون اپنی گردن پر لیا۔ یہ سنا کر وہ تو ہوا ہوئی ۔ جب تک شہ زادہ آدھا پتھر تھا تو ملکی آرا اور انجمن آرا اپنے اپنے خیموں سے سے گھبرا کر پکارتی تھیں ۔ جان عالم جواب دیتا تھا۔ یہی آواز کا سہارا اُن کی زیست کا سبب تھا۔ اب تا حلق پتھر ہونے سے وہ جرسِ قافلۂ گم کردہ راہ دشت گربت بے صدا ہوگیا۔ وہاں صبر کا راہ بر جدا ہوگیا۔ ہر چند دونوں چلائیں، شہ زادے نےمطلق جواب نہ دیا ۔ بولا ہی نہ گیا۔ پھر ملکۂ مہر نگار بادل نگار سر پیٹ کر کہنے لگی۔

“فلک تو نے اتنا ہنسایا نہ تھا کہ جس کے عوض یوں رلانے لگا ۔ مژدہ اے مرگ غریب الوطنی ! خوب میلہ ہاتھ لگا۔ تو بد نامی سے بچی ہم نے ناکامی میں جان دی۔ چرخ ستم شعار رنگ لایا۔" انجمن آرا بیچاری ، مصیبت کی ماری ، سب کا منہ حیرت سے تکتی تھی۔ اور روتی تھی۔ نہ بین کرنے آتے تھے۔ نہ غل مچایا جاتا تھا ۔ گھٹ گھٹ کر جان کھوتی تھی۔ خوا صیں سر کھول کر کہتی تھیں ۔ہے ۔ہے ! ہم اس جنگل ویران میں لٹ گئے۔ وارث سے چھٹ گئے۔

تو وہ کریم ہے ناشاد کو شاد کرے

مراد مند کو ہر طرح بامراد کرے

لوگو ! ہم کدھر جائیں ۔ کیوں کر اس بلا سے نجات پائیں ۔ کوئی کہتی تھی شیطان کے کان بہرے ۔خدانخواسۃ اگر جان عالم کے دشمنوں کا رونگٹـا میلا ہوا ، شہ زادیاں خاک میں مل جائیں گی ۔ غم جدائی سے جانیں گنوائیں گی۔ ہم اُن کے ما ں باپ کو کیا منہ دکھا ئیں گے۔ اس دشت ادبار میں سر ٹکرا کر مرجائیں گے۔

ایک طرف مغلانیاں غم کی ماریاں، دم گرم ، سرد آہ بھرتی تھیں۔ ایک سمت انیسیں ، جلیسیں نجف کی طرف بال کھول کر التجا سے گریۂ و بکا سے یہ عرض کرتی تھیں ۔ شعر

تم نے مدد کی نوح کی ، طوفان سے کشتی پار کی ۱۹۴۴؁

یا مر تضٰے ؓمشکل کشا ، کیوں دیر میرے بار میں کی

کوئی کہتی تھی ۔ ہمارا لشکر اس بلا سے جو نکلے تو مشکل کشا کا کھڑادونا دوں گی۔ کو ئی بولی میں سہ ماہی کے روزے رکھوں گی ، کونڈ ے بھروں گی ۔ صحنک کھلا ؤں گی۔ دودھ کے کوزے بچوں کو پلاؤں گی۔ کسی نے کہا اگر جیتی چھٹی جناب عباس کی درگاہ جاؤں گی۔ سقاۓ سکینہ کا علم چڑھاؤں گی۔

چہل منبری کرکے نذر حسین سبیل پلاؤں گی۔ غرضیکہ لشکر سے زیادہ خیموں میں تلاطم پڑا تھا۔ صداۓ حزیں ، نالۂ ہر غم گین سے ہنگامۂ محشر برپا تھا۔ اتفاقاََ ایک شاگرد ملکہ کے باپ کا رشید فن سحر میں دید نہ شنیدٔ اس مرد بزرگ کی ملاقات کو بروے ہوا اڑا جا رہا تھا۔ یہ نالۂ بلند، صداۓ ہر درد مند اس کے کان میں جو پہنچی زمیں کی طرف متوجہ ہوا۔ دیکھا ، تو ایک لشکر عظیم ، بہ حال سقیم سحر کا مبتلا ہے۔ شور و غل ہورہا ہے۔جب قریب تر آیا ، طرفہ ماجرا نظر آیا ، کہ انسان سے تا جانور سب آدھے پتھر ہیں ۔ سمجھا کہ سہر شہپال میں خراب حال ہے ۔ لوگوں سے پوچھا یہ ستم رسیدہ لشکر کس کس ہے ؟ کہاں سے آیا ہے ۔ وہ ملکہ مہر نگار کے ملازم تھے ۔ اپنا حال سب نے بیان کیا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ استاد زادی کی خانہ بربادی ہے ، در خیمۂ ملکہ پر آیا سر پیٹا چلّایا ۔ ملکہ نے آواز پہچانی ۔ کہا بھائی اس وقت پردہ کہاں ہے ۔یہاں آکے تم بالمشافہ ہمارا عذاب اور خراب حال دیکھو ۔ وہ اندر آیا۔، ملکہ نے فرمایا۔ عداوت ساحرہ سے ہمارا قافلہ تباہ ہے ۔ عرض کرنے لگا ۔ مجھے اس کی ہم سری کی طاقت نہیں اور وقفہ کم صبح سب کار خانہ درہم برہم ہوجاۓ گا۔بجز آپ کے والد بزرگوار کے تشریف لاۓ یہ بلا ٹلتی نہیں۔ لو خدا حافظ و ناصرہے ۔ یہ کہ کر بہ حال خستہ و تباہ لب پر نالۂ و آہ اس تیز قدم چلا کہ ادہم صبا کی ڈپٹ ، ہر قدم پر نثار تھی ۔ ٹھوکروں میں صرصربے قرار تھی۔ پہر بھر میں وارد باغ ہوا ، گل سا چاک گریبان ، غنچے کی طرح خموش ، شبنم نمط اشک روان پیر مرد نے فرمایا ، خیر ہے۔ اس نے شمہ گرفتاری جان عالم ، ملکہ کی بیقراری ، انجمن آرا کا الم ، لشکر کا حال ابتر کہہ کر عرض کی ۔ جلد چلیے اگر شام تک نہ پہنچے ۔ وہاں صبح ہی، دم سحرملک الموت کا بازار گرم ہوگا۔ ارمان سب دل میں رہے گا۔ کشتیوں کو علم بے والی وارث کہے گا۔ کوئی گور و کفن نہ پاۓ گا۔ خاتمہ بالخیر ہوجاۓ گا۔ پیر مرد نے آہِ سرد بھر کر فرمایا۔ افسوس! شہ زادے کو سب سمجھایا تھا مگر عمل میں نہ لایا۔ شعر

ایک آفت سے مرمر کے ہوا تھا جینا

پڑگئی اور یہ کیسی مرے اﷲ نئی

اُسی دم شاہین تیز پرواز پر سوار ہوا۔ مغرب کی نماز ، لشکر میں داخل ہوکر پڑھی۔ پہلے جان عالم کے خیمہ میں آیا ۔ حال دیکھ کر سخت گھبرایا ۔ پھر انجمن آرا کی جاکر تسکین کی ۔ وہرونے لگی ۔ وہاں سے ملکہ کے پاس آکے کہا "تمھاری بد بختی نے ہماری وضع میں فرق ڈالا ۔ برسوں بعد باغ سے نکلا" ملکہ نے عرض کی ، یہ وقت تدبیر ہے ، ہنگامۂ تعزیر ۔ بعد رہاِء اس آفت سماوی سے جو چاہنا فرمانا۔ القصّہ مجبور و ناچار ، وہ عارف با وقار شہزادے کے خیمے کے نزدیک دور تک حصار کھینچ کر بیٹھا ۔ یہ مرد بزرگ نیک صفات ، فن سحر کے سوا عامل اسم ذات کا تھا ۔ کچھ پڑھنے لگا ۔ کبھی مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات کرتا کہ اے یاورِ زیر داستان و سر فروکنندہ گردن کشاں ! اس بوڑھے کی شرم تیرے ہاتھ میں ہے ۔ قبر میں پاؤں لٹکاۓ بیٹھاہوں۔ا خیر وقت کا تو حافظ و نگہبان ہے ۔ مجھ پر مشکل ہے تیرے روبرو آسان ہے۔ سفید ڈاڑھی کو بدنامی کے دسمہ سے نہ رنگنا۔ تیرہ بختی کا دھبّا بایں ریش سفید نہ لگانا ۔ شعر

مشکل ز توجہ تو آسان آسان ز تغافل تو مشکل

جب کہ سجّادہ نشین چرخ اوّل بامجمع مریدان کواکب ، حجرۂ مغرب میں رو پوش ہوا اور طلسم مشرق سے نمودار با جوش خروش ہوا اور وہ عبا دت گزار پیر جوان مرد ، شب زندہ دار وظائف صبح سے فرحت پاچکا تھا ، یکایک وہ نا بکار شیطان صفت ناپاک عورت اژدہ پرسوار بہ چشم خون خوار بہ عزم قتل جان عالم لشکر میں تنہا آئی۔ پہلے ملکہ کے باپ کے پاس آئی۔ آنکھیں لال لال ، طیش کمال ، اور بہ آواز کرخت پکاری ۔ یے مرد پیر ! سست رتدبیر ! تیری اجل بھی دامن گیر ہوکر کشاں کشاں اس دشت جان فشانی میں لائیہے۔ مجھے شرم آتی ہے ، تو پیر نودسالہ ہوچکا ہے بے مارے مر رہا ہے۔ تیرے قتل میں بدنامی جُھٹ فائدہ کیا۔ جدھر سے آیا ہے سیدھا چلا جا ۔میں بہ یک نگاہ کج نشان لشکر اس صفہ زمیں سے مثل حرف غلط کاردِ اپنے سحر سے مٹا دیتی ہوں۔

Webpage conversion

پھر نہ کہنا حساب سخت ہے💝  
‏اپنے تمام چھوٹے بڑے گناہوں اور غلطیوں کو یاد کرتے ہوۓ  
اور دوبارہ ویسا نا کرنے کا عہد کرتے ہوئے کم از کم ایک بار دل سے پڑھیئے 💛💛  
🙂  
[#اَسْتَغْفِرُ\_اللهَ\_رَبِّى\_مِنْ\_كُلِّ\_ذَنْۢبٍ\_و\_َّاَتُوْبُ\_اِلَيْهِ❤](https://plus.google.com/s/%23اَسْتَغْفِرُ_اللهَ_رَبِّىْ_مِنْ_كُلِّ_ذَنْۢبٍ_و_َّاَتُوْبُ_اِلَيْهِ❤)  
  
[#ترجمہ](https://plus.google.com/s/%23ترجمہ): میں اللہ سے اپنے تمام گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں 🌷جو میرا رب ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں💖